مولانا وارث مظہری*

مدارس میں تصنیف وتحقیق کی صورت حال

کچھ دنوں قبل ہندوستان کے ایک مایہ ناز عالم وفقیہ اور متعدد اہم کتابوں کے مصنف نے راقم الحروف سے گفتگو کے دوران مدارس میں تصنیف وتالیف اور علمی تحقیق کی صورت حال پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ہندوستان کے سب سے بڑے اور وسیع اثرات رکھنے والے مدرسے سے متعلق کہا کہ یہاں سے گزشتہ بیس پچیس سال کی مدت میں حقیقی معنوں میں صرف دو کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اور انھوں نے ان کتابوں کا نام بتایا۔ غور وفکر کا مقام ہے کہ جب نامی گرامی اور عظیم وراثت کے امین مدرسے کی یہ حالت ہے تو دوسرے مدارس سے ہم کس طرح کوئی بڑی امید قائم کر سکتے ہیں؟ اگرچہ مدارس کی سطح پر صورت حال میں تنوع پایا جاتا ہے۔ چناں چہ کہیں ٹھہراؤ کی کیفیت ہے، بلکہ اس میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ اور کہیں تحرک اور غور وتجزیے کی بنیاد پر تبدیلیوں کی چاپ سنائی دینے لگی ہے۔ تاہم صورت حال پھر بھی بہت مایوس کن ہے۔ نصاب سے قطع نظر جس پر عمومی طور پر انجماد کا پہلو غالب رہا ہے، دوسری حیثیتوں میں مدارس کی سرگرمیاں کافی نتیجہ خیز اور مؤثر رہی ہیں۔ چناں چہ یہاں سے ایسے علما کی کھیپ کی کھیپ نکلی جس میں مصنفین، ادبا اور علمی تحقیق کاروں کی بڑی تعداد شامل تھی۔ انھوں نے اپنے پیچھے اہم علمی اثاثہ چھوڑا، جو موجودہ وآئندہ نسلوں کے لیے فکر وبصیرت کا سامان ہیں۔ زیادہ پیچھے کی طرف نہ لوٹتے ہوئے آزادی کے بعد دو تین دہائیوں تک علوم وافکار کے میدان میں سامنے آنے والی اور مدارس سے انتساب رکھنے والی شخصیات کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو وہ طویل ہونے کے ساتھ ساتھ کافی باوزن دکھائی دیتی ہے۔

لیکن آج کی صورت حال نہایت افسوس ناک ہے۔ اکثر مدارس پر صرف نصابی سرگرمیاں حاوی ہیں۔ غیر نصابی سرگرمیوں کا دائرہ نمایاں طور پر تقریر کی مشق تک محدود ہے۔ نتیجے کے طور پر مدارس سے غالب تعداد میں یا تو مدرسین پیدا ہو رہے ہیں یا مقررین یا پھر اسی درس وتقریر کی مشق کرنے کرانے والے شارحین وتقریر نگار۔ ان کے علاوہ ایک تعداد مسلکی اور گروہی چپقلش پر خامہ فرسائی کرنے والوں کی ہے۔ دوسرے موضوعات کے لیے جو تعداد بچتی ہے وہ نہایت قلیل ہے اور اس میں بھی اقل وہ تعداد ہے جو سنجیدہ، علمی اسلوب میں علمی تحقیق وتصنیف کا کام کر رہی ہو۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کئی کئی دہائیوں سے حدیث، تفسیر اور فقہ کی بڑی بڑی کتابیں پڑھانے والی شخصیات، مدارس کی دنیا میں جن کے

w.mazhari@gmail.com *

نام کا سکہ چلتا ہے، وہ بھی ابتدائی درسی کتابوں کی شرح وحاشیہ نگاری کو ممتاز علمی و تصنیفی کام تصور کر بیٹھی ہیں۔ان کے ممتاز تلامذہ کا حلقہ انھیں یہ باور کرانے کے لیے کافی ہے کہ یہ 'لاثانی' اور 'لافانی' کام انھی کا خاصہ ہے۔اور یہ تخلیقی فکر اور تازہ کاری جو موجودہ علمی سرمایے میں اضافے کا باعث ہو اور جس سے قافلہ علم کو آگے بڑھنے کے لیے توانائی حاصل ہو، ایسا کام اب مدارس سے نکل کر جدید علمی دانش گاہوں، علمی اکیڈمیوں (اپنی محدودیتوں کے باوجود) میں اچھے اور بڑے پیمانے پر انجام پا رہا ہے۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ واضح طور پر برصغیر کے تینوں ممالک میں۔ مثال کے طور پر تمام تر حلقے شاہ ولی اللہ سے اپنی نسبت قائم کرنے پر نازاں ہیں، لیکن مدارس کے حلقوں میں حجۃ اللہ البالغہ کے علاوہ، جو خال خال بعض جگہوں پر پائی جاسکے، بہ مشکل ہی کوئی اور کتاب پڑھی اور شائع کی جاتی ہے۔ حالیہ مدت میں شاہ صاحب پر سیمینار علی گڑھ اور دہلی میں ہو رہا ہے نہ کہ دیوبند اور ندوہ میں۔ اسی طرح مثال کے طور پر دہلی میں مکتبہ اسلامی، آئی او ایس اور اسلامی مرکز سے جس طرح کی علمی، فکری اور تحقیقی کتابیں چھپ کر آئی ہیں، مدارس سے وابستہ یا ان کے زیر اثر قائم نشریاتی اداروں کی فہرست میں ایسی کتابیں محض استثنا ہیں۔ کتابوں کی اشاعت کے علاوہ یہی صورت حال مدارس سے شائع ہونے والے رسائل ومجلّات کا ہے۔ اداریہ سے لے کر اختتامیہ تک اکثر رسائل و مجلّات محض عوام کے تیسرے اور چوتھے صف کے لوگوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ بالکل وہی کام جو مجلسی ملفوظات اور اسٹیج کی تقریروں سے لیا جاسکتا ہے، ان پرچوں سے لیا جاتا ہے۔ بہر حال یہ ایک دل چسپ مطالعے کا موضوع ہے، ارشد امان اللہ نے اس موضوع (مدرسی صحافت) کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ مطالعہ کیا ہے، جس کے نتائج سرائے ڈاٹ نیٹ کی سائٹ پر موجود ہیں۔ مدارس کے حلقوں سے جن موضوعات پر کتابیں چھپ رہی ہیں ان کے سرسری جائزے سے جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

☆ درسیات ومتعلقات درسیات	60-65%
☆ دینیات: (فتاوی واحکام، اصلاح وتبلیغ، تذکرہ وسیرت)	15-17%
☆ وعظ وتقریر، ملفوظات ومکتوبات	10-12%
☆ مسلکی تنازعات، تعویذات وعملیات	9-10%
☆ علمی وتحقیقی کتابیں (بہ مشکل)	1%
☆ متفرقات	3-4%

یہ جائزہ مدارس کے حلقوں خصوصاً دیوبند میں چھپنے والی کتابوں کی تمام بڑی اور اہم فہرستوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ اس میں بعض چھوٹے موضوعات کو بڑے موضوعات جیسے تصوف کو ملفوظات ومکتوبات اور سیرت کو اصلاح وتبلیغ، لغات وغیرہ کو متعلقات درسیات میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اس طرح باقی دوسرے موضوعات متفرقات کے ذیل میں ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی ضروری ہے کہ دیوبند دینی کتابوں کا ہندوستان میں سب سے بڑا مرکز ہے اور مدارس کے حلقوں کا نمائندہ ہے۔ ہندوستان کے کونے کونے میں یہاں سے دینی، درسی کتابیں پہنچتی ہیں۔ اگرچہ میرے خیال میں ہندوستان میں پھیلے مدارس کے اہم حلقوں: دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح اور جامعۃ الفلاح، بریلوی

مکتب فکر، اہل حدیث، اہل تشیع وغیرہ کی نشریات ومطبوعات کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے، تا کہ علمی وفکری سرگرمیوں اور اکیڈمک ارتقا کا زیادہ ہمہ گیری اور صحت کے ساتھ اندازہ ہو سکے۔

میری نظر میں اس صورت حال کے متعدد اسباب ہیں:

☆ بنیادی سبب مطمح نظر کی محدودیت ہے۔ دراصل مدارس کے ارباب حل وعقد نے مدارس کے مقاصد کو محض چند امور تک محدود کر دیا ہے یعنی: روزمرہ کے مذہبی مسائل میں عوام کی رہنمائی اور روایتی حدود وقیود کے ساتھ اسلامی ثقافت کے مظہر کو سماجی سطح پر محفوظ وبرقرار رکھنے کی کوشش کرنا۔ لیکن سوال یہ کہ اس کے لیے آٹھ سال کے عرصے میں دس سے زائد علوم کی تحصیل کی ضرورت کیا ہے؟ اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے روزمرہ کے شرعی مسائل کی ضروری واقفیت کے ساتھ دو تین سال کی دینی تربیت کافی ہے۔ علمائے دیوبند میں مولانا تھانوی کا نقطۂ نظر یہی تھا۔ ان کی نظر میں عالم محقق اور دینی مسائل کی واقفیت اور دینی تربیت رکھنے والوں کے مابین پائے جانے والے فرق کی حقیقت واضح تھی۔

☆ مدارس اور دوسرے فکری وعلمی حلقوں کے درمیان کوئی باضابطہ رشتہ اور تال میل قائم نہ ہو سکا۔ اس کے برعکس دونوں اداروں میں چپقلش کی فضا قائم ہوگئی جس میں دونوں ہی اداروں کی کمزوریاں شامل ہیں۔ البتہ ارباب مدارس کی طرف سے دینی ودنیاوی علوم کے تصور نے اس تفریق اور دوری میں خصوصی کردار ادا کیا۔

☆ مدارس مخصوص خانوادوں میں سمٹ کر رہ گئے یا دوسرے لفظوں میں ان پر مخصوص خاندانوں کی اجارہ داری قائم ہوگئی۔ یہ ام الامراض ہے جس نے مدارس کو مختلف حیثیتوں سے جن میں: مدارس میں جمہوریت کا فقدان، ان کے نظام اور سرگرمیوں پر کاروباریت کی چھاپ، ملازمین کا استحصال وغیرہ، اہم ہیں، کمزور و بے جان کر دیا۔ 'اہتمام کی گدی نشینی' کرنے والوں نے نشر واشاعت کے حوالے سے اپنی ساری توجہ اپنے آبا واجداد کے کارناموں کو اجاگر کرنے پر صرف کر دی۔ چناں چہ انھی کی سوانح وتذکرے، خطبات وملفوظات، تصنیفات و تالیفات شائع ہونے لگیں اور انھی پر علمی نشستوں اور سیمیناروں کا انعقاد ہونے لگا۔

☆ نصاب کی محدودیت کی وجہ سے ہمارے علما مدارس کی چہار دیواری میں سمٹتے چلے گئے۔ اس طرح سماجی تبدیلیوں سے بے خبری کے ساتھ علوم وافکار کے میدانوں میں ہونے والی حالیہ پیش رفت سے وہ مکمل طور پر نا آشنا رہے۔

☆ محنت اور صلاحیت سے متصف لوگوں کے لیے معاشی مسائل ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئے۔ بے صلاحیت مقررین اسٹیج کی تقریروں کے ذریعے اعزازیے اور تحائف وصول کرنے لگے تو ان لوگوں نے طلبہ کو اپنی تدریس سے زیادہ اپنی مطبوعہ شروحات کی طرف متوجہ کیا اور اس طرح پہلے طبقے کی برابری کی کوشش کی۔ اب حقیقی معنوں میں ان درسی کتابوں کی شروحات لکھنے والوں اور کتابوں کے ناشرین میں جیسے ایک دیدہ یا نادیدہ ساز باز کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ بعض نصابی کتابوں کی خامیاں پوری طرح ارباب حل وعقد کی نگاہوں میں واضح ہو جانے اور نئی کتب کی شکل میں بہتر سے بہتر متبادل آ جانے کے باوجود وہ انھیں درس سے اس لیے خارج کرنے سے قاصر ہیں کہ وہ ان دونوں طبقات کے اعتراضات وتنقید کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مختلف صورتوں

میں ان کو اس کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔

☆ مدارس میں یا تو سرے سے تصنیف و تحقیق کا کوئی شعبہ نہیں ہے یا اگر ہے تو اسے لائق وفاضل افراد مشکل سے میسر آتے ہیں۔ اس کی وجہ مدارس کا وہ بند ماحول ہے جس میں تخلیقی فکر رکھنے والے اہل قلم کے لیے خود کو ایڈ جسٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔

☆ اس گراوٹ کی ایک وجہ فضلائے مدارس کی اکثریت کا ایک زبان (شمالی ہند کے تناظر میں اردو) پر انحصار اور عالمی مغربی زبانوں اور خود عربی سے عدم واقفیت ہے۔ زبان کے تعلق سے عربی پوری طرح موجودہ علمی تقاضوں کے لیے کافی نہیں ہو سکتی تاہم اس سے ایک حد تک اس خلا کو پر کیا جا سکتا ہے جو اردو کے تعلق سے موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی موجودہ دور میں اردو سے زیادہ 'جمہوری' اور 'سیکولر' ہے۔ اردو بنیادی طور پر شمالی ہند کے مسلم معاشرے کی روحانی زبان ہو کر رہ گئی ہے۔ آپ ایسی باتیں تلخ و ترش تنقید برداشت کیے بغیر مشکل سے ہی لکھ سکتے ہیں، جو اہل مدارس کے مزاج اور انداز کے مطابق نہ ہوں۔

☆ علمی تحقیق وتصنیف کا بڑا اور وسیع کام صرف افراد کے ذاتی شوق وجذبے کی بنیاد پر ہی انجام نہیں دیا جا سکتا۔ زیادہ بہتر طور پر وہ علمی پروجیکٹوں کی شکل میں انجام دیا جاتا ہے۔ ماضی میں امرا اور شاہوں کی عطیات نے بہت سی چھپی دبی صلاحیتوں کو ضخیم کتابوں کی شکل میں منتقل ہونے کا موقع دیا۔ آج مغربی دنیا میں اس مقصد کے لیے بڑے بڑے ادارے: کارنیگی فاؤنڈیشن، فورڈ فاؤنڈیشن، فل برائٹ وغیرہ موجود ہیں جو علمی تحقیقی کاموں کو باضابطہ پروجیکٹوں کی شکل میں انجام دیے جانے کے لیے ضروری وسائل فراہم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے اندر اس قسم کے ادارے تقریباً معدوم ہیں۔ مدارس کی بڑی تعداد کے لیے سالانہ بجٹ کی فراہمی ہی ایک مسئلہ ہوتی ہے۔ تاہم بڑے مدارس جن کا سالانہ بجٹ کروڑوں میں ہے، کم از کم اپنے فاضلین کو علمی پروجیکٹوں میں مصروف کرنے کے لیے بجٹ کا ایک حصہ مختص کر سکتے ہیں۔

مدارس کے حلقوں میں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق علمی دانشمندی (اسکالرشپ) کے فروغ اور فاضلین مدارس اور علما میں اکیڈمک ریسرچ کا صحیح شعور بیدار کرنے کے لیے منصوبہ بند اقدامات کی ضرورت ہے۔ ان اقدامات میں سے چند ضروری اور فوری اقدامات یہ ہیں:

☆ مدارس کے مجموعی ماحول کو اس طرح ترتیب دینا کہ مدارس کی نئی نسل کا صرف کتاب پڑھنے پڑھانے پر ہی انحصار نہ ہو اور وہ صرف اس کی ہی اہمیت سے واقف نہ ہو۔ بلکہ یہ بات اس کے شعور کا حصہ بن سکے کہ مطالعہ کا مقصد محض علم کے دائرے کو وسیع کرنا اور ترقی دینا نہیں بلکہ فکر کے دائرے کو بھی وسیع کرنا اور اسے ترقی دینا ہے۔

☆ علم کے لیے جس تجسس (Curiosity) اور تازہ کاری کے لیے جس تخلیقی فکر کی ضرورت ہے وہ حقیقت میں مدارس میں رائج نصاب سے حاصل نہیں ہوتی۔ مدارس کے نصاب میں سوشل اسٹڈیز اور زبان کی سطح پر خصوصی تبدیلی واصلاح کی ضرورت ہے۔ مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی سے مدارس کو آسانی کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا ہے، جدید تعلیمی پالیسی میں حکومت ہند کی اس طرف خصوصی توجہ ہے۔ اپنے بعض تحفظات کے ساتھ مدارس کو اس سے

فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاکہ طالب علم کے مطالعہ ومشاہدے کا دائرہ وسیع ہو۔ زبان کے تعلق سے انگریزی کو باضابطہ نصاب کے اصل دھارے میں شامل کرنے اور ہر ہر طالب علم کے لیے کم وبیش میٹرک کی سطح تک کی انگریزی زبان کی واقفیت کو لازمی قرار دیا جانا چاہیے۔ آج کی ضروریات اور تقاضوں کو کل کے اکابر و اسلاف سے مقابلہ (Compare) کر کے دیکھا نہیں جا سکتا۔

☆ دینی اور دنیاوی علوم کی تفریق کے خاتمے کے ساتھ مدارس کے نصاب میں ''قدیم صالح'' اور ''جدید نافع'' کے امتزاج وشمولیت سے جب تک مدارس کے نصاب میں توازن پیدا نہیں ہو جاتا، اس صورتحال میں کوئی خوشگوار تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی فکر کے مطابق، مدارس کے فضلا کے لیے یونیورسٹیوں میں داخلے کی راہ ہموار کرنی چاہیے۔ جنوبی ہند کے بہت سے اہم دینی ادارے اس کی نمایاں مثال ہیں۔

☆ تمام بڑے مدارس میں تحقیقی اکیڈمیاں اور مراکز قائم کی جائیں۔ بعض مدارس میں ایسے مراکز محض دکھاوے کے لیے ہیں۔ ان سے زیادہ سے زیادہ ادارے کے بانیان واکابر کی یا ان سے متعلق، اور دوسری صورت میں گروہی چپقلش پر مبنی مواد شائع کیے جاتے ہیں۔ اس طرح علم کی یہ آواز یا تو اپنی ہی چہار دیواری میں گونج کر رہ جاتی ہے یا پھر وہ اتنی بھونڈی ہوتی ہے کہ اس چہار دیواری سے باہر اس کو سننے والا اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتا ہے۔

☆ اس مقصد کے حصول کے لیے غیر نصابی سرگرمیوں میں مختلف چیزوں پر توجہ اور ارتکاز کی ضرورت ہے۔ جیسے: ماہرین اصحاب علم کے ذریعہ ہفتہ وار، پندرہ روزہ یا ماہانہ محاضرے کا پروگرام، تقریری مجالس کی طرح تحریری مقابلوں کا پروگرام، مختلف موضوعات پر اوپن ڈسکشن کا اہتمام وانتظام، ملک اور ملک سے باہر مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اہم رسائل ومجلّات کی کٹیلاگ سازی اور طلبہ کو ان کی فراہمی، مرکزی لائبریری میں ضروری بنیادی کتابوں کے ساتھ نئی شائع ہو کر منظر عام پر آنے والی کتابوں کا ذخیرہ جن سے طلبہ بہ آسانی اور بر وقت استفادہ کر سکیں۔ اس طرح طلبہ میں تحریری ذوق کو ابھارنے کے لیے سالانہ سطح پر طلبہ کی تحریری کوششوں پر انعامات دینے کے علاوہ ان پر بھی نمبرات دیے جانے چاہئیں اور انہیں سالانہ مارک شیٹ میں بھی شامل کیا جانا چاہیے۔

☆ طلبہ کی تحریری وصحافتی تربیت کے لیے مدارس میں باضابطہ اس کے شعبے اور تربیتی مراکز (Training Centers) کھولنے کی ضرورت ہے۔

☆ دیواری رسائل کے علاوہ طلبہ کے لیے مختص باضابطہ طبع ہونے والے رسائل بھی ہونے چاہئیں، جن میں ان کی تخلیقات شائع ہوں، پھر ان کی منتخب تحریروں کو کتابی شکل میں شائع کیا جانا چاہئے۔

☆ اخیر کے دو سالوں میں بالترتیب ہر سال میں کم از کم 50 اور 100 صفحات پر مشتمل تحقیقی مقالہ (dissertation) طلبہ سے لکھوایا جانا چاہیے اور ان پر حاصل ہونے والے نمبرات کو سالانہ امتحان کے مجموعی نمبرات میں شامل کیا جانا چاہیے۔

☆ تمام بڑے مدارس میں کم از کم سال میں ایک مرتبہ کسی اہم اجتماعی دلچسپی کے حامل موضوع پر سیمینار کا انعقاد کیا جانا چاہیے۔ اس میں اہم علما اور دانشوروں کے علاوہ قدیم باصلاحیت فضلا کو مدعو کیا جانا چاہیے تاکہ طلبہ کی نئی

نسل ان سے سیکھ سکے اور ان کے نقش راہ کو اپنانے کی کوشش کر سکے۔

☆ ہمارے بڑے مدارس کا خاص طور پر عالم اسلام کی بڑی جامعات کے ساتھ باضابطہ ربط اور معادلہ ہونا چاہیے جس کے تحت یہاں کے طلبہ وہاں اور وہاں کے طلبہ یہاں آ کر دونوں جگہوں کے تعلیمی نظام ونصاب سے اپنی ضرورت کے مطابق استفادہ کر سکیں۔ اس کے لیے ''عالم اسلام'' کی قید بھی بے جا ہے۔ ہمیں باصلاحیت، منتخب، پختہ اسلامی فکر رکھنے والے طلبہ کے لیے یہ رسک لینا چاہیے کہ انہیں ضروری تربیت کے بعد مغرب کی اعلیٰ دانش گاہوں کے مذہبی مطالعات کے شعبوں میں داخل کرایا جائے۔ البتہ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ادارہ مستقل طور پر ان کے ساتھ ربط اور ان پر نگاہ رکھے اور انہیں ضروری تعاون فراہم کرے۔ اس بھٹی میں تپنے کے بعد وہ موجودہ عالمی تقاضوں کے مطابق زیادہ کارآمد ہو سکیں گے۔ جامعہ ازہر کا پیٹرن یہی ہے ازہر کی طرف سے بھیجے گئے ایسے اسلامی علم وثقافت کے سفرا مغربی ممالک کی تاریک فضا میں اسلامی علم وثقافت کو پروان چڑھانے میں مصروف ہیں۔ پچھلے دنوں ازہر کے ایسے کئی نمائندوں پر مغربی ملکوں میں حملے ہوئے لیکن اس کے جواب میں ازہر نے اپنے اس عزم کو دہرایا کہ وہ اپنے نمائندوں کو اسی طرح وہاں بھیجتی رہے گی۔ بلاشبہ یہ زیادہ بڑا اقدامی کام ہے جس کے لیے بہت زیادہ تیاری اور ہمت جٹانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ صورتحال تو یہ ہے کہ ہمارے بعض مرکزی ادارے مکہ ومدینہ کی علمی درسگاہوں سے بھی اس لیے معادلے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ وہاں جا کر فضلا کی حنفیت اور گروہی مسلکیت کی بند ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ اس ذہنیت کا جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

یہ اور اس طرح کے اقدامات اور کوششوں کے ذریعہ مدارس کے اندر اسلامی اسکالرشپ کے گرتے ہوئے معیار کا علاج ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ مدارس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ان کی خود اطمینانی (self-sufficiency) کی یہ ذہنیت ہے کہ مدارس میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہی نہیں اعلیٰ معیار کے مطابق ہے۔ اس لیے ان سے اس سے اوپر کی توقع کرنا غلط اور بے جا ہے۔ یہ ذہنیت علم میں اضافے اور فکر میں نمو کے لیے تجسس واضطراب کی اسپرٹ کو ختم کر دیتی ہے۔

بہرحال مدارس میں علم وتحقیق کے معیار کی گراوٹ (slow down) وقتی نہیں ہے کہ اس کے علاج کے لیے کوئی فوری 'bail out' پروگرام یا پیکیج تیار کر لیا جائے۔ اس کے لیے مدارس کے پورے نصاب ونظام کے حقیقت پسندانہ اور معروضی جائزے کے ساتھ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ تبھی یہ مدارس عام درسگاہوں کی طرح محض پیشہ ورانہ انداز میں پڑھنے پڑھانے والے ادارے کی حیثیت سے اوپر اٹھ کر حقیقی معنوں میں علم وفضیلت (scholar ship) اور فکر وتحقیق کے اعلیٰ اور اساسی اداروں کی حیثیت سے موجودہ دور کی نمائندگی اور مسلم وغیر مسلم سماج پر اپنے اثرات قائم کر سکنے کے لائق ہو سکتے ہیں۔ ورنہ دوسری صورت میں بہرحال اقبال کی یہ شکایت اسی طرح باقی رہے گی کہ:

نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ